اَفکار

-۱-

[قسط دوم]*

سوال نمبر (۱۱) جناب والا ! تاریخ کی مختلف اور متصادم قوتوں پر جو باهم برسرپیکار تھیں ، رسول الله صلی الله علیه و سلم کی عمیق بصیرت اور اس کو منزل من الله اخلاقی (صحیح - دینی) نظام کے استحکام و ترقی کے لئے استعمال کرنے کا اعتراف فرماچکے هیں -

لیکن رسول الله صلی الله علیه وسلم جب تاریخی عوامل کے عمل کی پیغمبرانه بصیرت کے تحت امت کو آنے والے زمانے میں ایک دین کے لئے خطرناک ترین گروہ سے باخبر کرنے کے لئے نه صرف پیشینگوئی فرماتے هیں بلکه اس فرقه کے عقائد میں پوشیده و پنهاں شرک کی طرف نهایت لطیف اور بلیغ اشاره کرنے کی غرض سے اس فرقه کو اس امت میں دوخدا ماننے والی قوم مجوس قرار دیتے هیں اور فرماتے هیں

القدریة مجوس هذه الامة

تو آپ نه صرف اس حدیث کو بلکه ان تمام حدیثوں کو جن میں رسول الله صلی الله علیه وسلم نے قدریه فرقے کے ''مجلسی مقاطعه'' کی هدایت فرمائی هے یه کهه کر مسترد کر دیتے هیں : '' اس حدیث میں مسلمانوں کے قدریه اور جبریه فرقوں کے تنازعات جبر کے فلسفیانه مسئله کا شعور دوسری صدی هجری کے ماحول اور اس کے داخلی و خارجی عوامل کا عکس نظر آتا هے،، (الله رے عکس)

---

* قسط اول کے لئے دیکھئے ''فکرونظر'' شماره ۵-۶ ' جلد ۲ ص ۳۵۸ تا ۳۷۵

حالانکہ آپ اپنا عقیدہ بتلا چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تاریخی عوامل کے عمل اور رد عمل پر ملہمانہ (صحیح-پیغمبرانہ) بصیرت تھی نیز تاریخ کی مختلف اور متصادم قوتوں پر جو باہم برسرپیکار تھیں ، عمیق بصیرت رکھتے تھے - اور جبر و اختیار کا مسئلہ وہ عالمگیر نزاعی مسئلہ ہے کہ جب سے انسان کو اپنی قدرت و اختیار کا '' شعور '' اور اسی کے ساتھ ساتھ اپنی بے بسی اور بیچارگی '' کا احساس '' ہوا ہے اس وقت سے آج تک ہر ملک اور ہر قوم میں محل نزاع رہا ہے - ایک گروہ انسان کو مکمل طور پر قادر و مختار مانتا ہے دوسرا مکمل طور پر مجبور و بےبس مانتا ہے اور یہ جبر و اختیار کی نظریاتی جنگ برابر جاری ہے - ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن تھا کہ رسول اللہصلی‌اللہ علیہ وسلم اس عالمگیر متنازع فیہ مسئلہ میں سکوت اور خاموشی اختیار فرمائیں اور امت کو قدریہ فرقہ کی جس کے عقائد جبریہ کے کے مقابلہ میں ' اسلامی عقائد ' خصوصاً ذات و صفات باری تعالیٰ کےلئے ' بہت مضرت رساں ہیں - تباہ کن گمراہی اور اس کی شناعت سے باخبر نہ فرمائیں اور اس کے متعلق امت کو ہدایات نہ دیں ؟

قسط چہارم صفحہ ۱۹ پر آپ اسی حدیث کے انکارکے سلسلہ میں فرماتے ہیں

دوسری طرف خالص علمی انداز میں سلسلہ بسلسلہ منطقی ترتیب کے ساتھ فلسفیانہ استدلال کا ایک پیچیدہ طرز اختیارکیا گیا ہے جس کو ساتویں صدی (۱) کے اوائل کے عربوں کی طرف منسوب کرنا درست نہ ہوگا - (اس کے بعد نصف سے زائد صفحہ میں وہ فلسفیانہ استدلال بیان فرمایا ہے -)

جناب والا ! مسئلہ تو بالکل صاف اور عام فہم ہے مگر خود آپ نے منطقی طرز کے مقدمات (دلیل صغریٰ و کبریٰ) قائم کر کے اسے واقعی ایسا فلسفیانہ بنادیا ، کہیں بدیہی کو نظری بنادیا کہ واقعی اس استدلال کو عام سطح کی عقل والے لوگ نہیں سمجھ سکتے - سنئے مسئلہ یہ ہے

(۱) یہ سنہ عیسوی ہے سنہ ہجری دوسری صدی ہے جیسا کہ اس سے قبل کے اقتباس میں تصریح ہے یہاں ڈاکٹر صاحب کو سنہ عیسوی کو ہجری سے بدلنے کا خیال نہیں رہا ہے مگر یہ بے خیالی ''اصلی ماخذ'' کی نہایت شوخ غمازی کر رہی ہے -

رسول‌اللہ صلی‌اللہ علیہ وسلم امت کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ قدریہ - انسان کو قادر و مختار مطلق ماننے والے فرقہ - کے عقیدہ کی رو سے دو قادر مطلق اور مختار کامل ہستیاں ایک خدا ایک انسان ماننا بالکل اسی طرح لازم آجاتا ہے جیسے مجوسی دو خدا مانتے ہیں ایک یزداں ایک اہرمن عرب مجوسیوں کے اس عقیدہ سے خوب واقف تھے' قرآن کریم نے بھی آیہ" کریمہ

لا تتخذوا الہین اثنین انما اللہ الہ واحد

میں اثنیت پرستی کے بطلان سے آگاہ کر دیا تھا - اسی لئے امت کو اس تشبیہ و تمثیل کے سمجھنے میں کوئی اشکال پیدا ہو ہی نہیں سکتا - آج بھی کسی علمی شخص کو سمجھا کر تجربہ کر لیجئے کہ اتنی بات کے سمجھنے میں کوئی الجھن پیدا ہوتی ہے کہ نہیں کہ جو شخص انسان اور خدا دونوں کو قاد مطلق اور مختار کامل مانتا ہے وہ مجوسیوں کی طرح دو خدا مانتا ہے -

یہ تمام بحث تو ہم آپ کے اس ''مفروضہ'' کو تسلیم کر کے کر رہے ہیں کہ صحابہ اور قرون اولی کے مسلمان اس قدر سادہ لوح انسان تھے کہ ذات و صفات الہیہ کے دقائق سمجھنے سے قاصر تھے- ورنہ ہمارا تو عقیدہ یہ ہے کہ قرآن و سنت کی آسمانی تعلیمات نے صحابہ اور قرون اول کے مسلمانوں کے سینے علوم و معارف اور اسرار حکمت و دقائق و معرفت کے لئے اس لئے اس طرح کھول دئے تھے کہ افلاطون اور ارسطو بھی ان کے سامنے درس حکمت و اشراف حاصل کریں - بہر صورت آپ کے مقرر کردہ معیار پر یہ حدیث ہر پہلو سے مکمل اور صحیح پیشنگوئی ہے اور قدریہ فرقہ کے فتنہ سے آگاہ کرنے کے لئے تعلیمات سنت میں اس کا وجود اسلامی عقائد کے استحکام کیلئے نہایت ضروری ہے - اسی طرح وہ احادیث بھی جن میں قدریہ کے سوشل بائیکاٹ (مجلسی مقاطعہ) کی ہدایت فرمائی گئی ہے وہ بھی قطعاً صحیح ہیں - ان کو تسلیم کرنا اپنے عقیدہ کی بنا پر آپ کا فرض ہے - واضح رہے کہ اس فرقہ کا نام قدریہ صرف ان احادیث کے ذریعہ معروف ہے ورنہ یہ فرقہ خود اپنا نام '' نحن اصحاب العدل والتوحید '' بتلاتا ہے جس کا مرحم یا مخفف عدلی فرقہ ہے - اور اہل سنت والجماعت کے

حلقوں میں یہ معتزلہ کے نام سے موسوم و معروف ہیں لہذا قدریہ کے لفظ کو آپ ''تعین'' نہیں قرار دے سکتے ۔ ان احادیث کو مسترد کرنے کے ٹھوس دلائل بیان فرمائیے ۔

سوال نمبر (۱۲) ۔ اس اعتراف کے بعد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخی عوامل کے عمل اور ردعمل کے بارے میں ملہمانہ (صحیح - پیغمبرانہ) بصیرت حاصل تھی اور آپ نے اس بصیرت کو دین الہی کے بقا و استحکام اور ترقی کے لئے استعمال کیا آپ ان مستقبل میں نمودار ہونے والے داخلی اور خارجی فتنوں سے ، جن کے آثار آپ بچشم بصیرت خود دیکھ رہے تھے ، متعلق پیشنگوئیوں پر مشتمل احادیث (جن کو آپ احادیث فتن کہتے ہیں) کیسے اور کس دلیل سے رد کرسکتے ہیں ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی تھا آپ امت کو ''اشراط ساعت'' کی طرح جن کا تذکرہ قرآن میں '' فقد جاء اشراطھا '' کے عنوان سے آیا ہے ۔ ان فتنوں سے نہ صرف ایسا باخبر فرمادیں کہ جب وہ ظاھر ہوں تو ان کو پہچاننے میں مطلق تامل نہ ہو ، بلکہ اس پرفتن زمانہ کے لئے ھدایات اور احکام بھی بتلادیں ۔ اگر حضور اس میں کوتاھی فرماتے تو

وان لم تفعل فما بلغت رسالته

کے تحت العیاذ باللہ مقصر ٹھیرتے' چنانچہ قرآن حکیم نے بھی انہیں داخلی فتنوں سے متعلق آیہ کریمہ'

وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحو بینھما فان بغت احداھما فقاتلوا التی تبغی حتی تغیئی الی امر اللہ

میں اسی آنے والی خانہ جنگی کا حکم بیان فرمایا ھے' ورنہ عہد نبوت میں تو اس آیت کریمہ کا کوئی مصداق اور محل حکم پایا ھی نہیں گیا ۔ لہذا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان داخلی فتنوں اور ان کے بعد پیش آنے والے خارجی فتنوں سے متعلق ھدایات و احکام اور اس ''قیامت صغریٰ'' کے آثار و علائم سے ''احادیث‌فتن'' میں آگاہ فرمایا ھے مگر آپ ان تمام احادیث کو

خانہ جنگی اوراس کے مابعد زمانہ کی پیداوار کہہ کرمسترد کر دیتے ہیں ۔ کیامحض اس وجہ سے کہ یہ پیشینگوئیاں ہو بہو وقوع میں آ گئیں اور امت کو ان فتنوں سے نبرد آزما ہونا پڑا ۔ آپ تمام احادیث فتن کو مسترد کر دیتے ہیں؟ تو پھر آپ قرآن کریم کی پیشینگوئی

الم۔ غلبت الروم فی ادنی فی الارض من بعد غلبہم سیغلبون

کو بھی العیاذ باللہ مسترد فرمائیں ، اس لئے کہ وہ بھی ہوبہو وقوع میں آئی ہے ورنہ ان دونوں میں اس کے علاوہ کہ ایک وحی متلو کلام اللہ میں مذکور ہے اور دوسری وحی غیر متلو مشکواۃ السنت (احادیث) میں مذکور ہے اور کوئی معقول و مدلل وجہ فرق بتلائیں جس کی بنا پر اول کو علی الراس والعین تسلیم کرنا اور ثانی کو زمانہ خانہ جنگی کی پیداوار کہہ کر ٹھکرا دینا معقول ہوجائے ۔

اور ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت حذیفہ کی تینوں صحیحین کی روایتیں باوجود اس کے کہ ان کا ان باھمی خانہ جنگی کے واقعات سے کوئی خاص تعلق نہیں بلکہ ''اشراط ساعت'' سے متعلق ہیں ، آپ یہ کہہ کر کس بے باکی سے مسترد فرمادیتے ہیں

''مسلمانوں کی سیاسی خانہ جنگی سے متعلق ان احادیث (فتن) کیلئے جواز پیدا کرنے کی غرض سے بعض ایسی احادیث کی اشاعت کی گئی جو اس نوعیت کی تمام حدیثوں پر حاوی ہیں مثلاً حذیفہ کی حسب ذیل حدیث...''

گویا حضرت حذیفہ کی یہ متفق علیہ حدیث محض سیاسی خانہ جنگیوں کی پیداوار احادیث فتن کے لئے وجہ جواز پیدا کرنے کی غرض سے وضع کی گئی ہے؟ یا للعجب ثم العجب ع ناطقہ سربگر یباں ہے اسے کیا کہئے ۔

اس کے بعد حذیفہ کی دو اور متفق علیہ حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں

''مذکورہ بالا حدیثوں کو رسول اللہ کے واقعی ارشادات کی حیثیت سے قبول کرنا ممکن نہیں ۔ اسی طرح اس (پہلی) حدیث کو بھی ارشاد نبوی کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا جاسکتا ۔ جو ان دونوں سے پہلے گذر چکی ہے جو پیشین گوئی کرنے والی احادیث کا مرکزی ستون ہے''

یہ ہے آپ کا عقیدہ اور ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئیوں پر!

محترم ڈاکٹر صاحب !! ذرا ایسی رسول اللہ کی پیشینگوئیوں والی دو چار حدیثوں کے نام تو لیجئے جو بقیۃ السیف کے طور پر اس قتل عام سے بچ گئی ہوں اور ہم کسی کے سامنے آپ کے رسول اللہ کی پیشینگوئیوں پر ایمان کے ثبوت اور آپ کے قول کی تصدیق کے طور پر پیش کر سکیں ؟

خیر یہ تو الگ بات ہے آپ اپنے مقرر کردہ معیار کے اعتبار سے بتلائیے ان تینوں حدیثوں میں وہ کون سا ''تعین'' ہے جس کی بنا پر ان کو رد کرتے ہیں؟

سوال نمبر (۱۳)- اجماع خواہ اس معنی میں ہو جس میں عموماً ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت استعمال کرتے رہے ہیں اور خواہ اس معنی میں ہو جس میں آپ نے اپنے مقالہ تصور سنت میں استعمال کیا ہے اور ''سنت جاریہ'' اور ''زندہ سنت'' کا لازمی عنصر قرار دیا ہے ، یقیناً عہد نبوت کے بعد کی چیز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں اجماع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ، اسی لئے ''ادلہ اربعہ'' احکام شریعہ میں سے صرف تین ادلہ یعنی کتاب ، سنت اور اجتہاد (قیاس کا) حضرت معاذ بن جبل کی اس مشہور و معروف روایت میں تذکرہ ہے جو حضرت معاذ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجتے وقت حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے استخراج و استنباط احکام شرعیہ کے لئے ان کو تلقین فرمائے ہیں ، اجماع کا اس میں اس لئے ذکر نہیں ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام حیات ہیں ، لہذا اجماع اور حجیت اجماع سے متعلق جو حدیث بھی ہوگی وہ آنے والے زمانہ سے متعلق پیشینگوئی ہوگی اور آپ مذکور سابق اقتباس میں بڑے شد و مد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئیوں پر اپنے عقیدہ کا اعلان کر چکے ہیں ، آپ کا فرض ہے کہ آپ حجیت اجماع سے متعلق ہر سہ احادیث مندرجہ ذیل کو صحیح فرمائیں

(۱) ان امتی لا تجتمع علی ضلالۃ (ابن ماجہ) (۲) ان اللہ لا یجمع امتی علی ضلالۃ (ترمذی) (۳) لن یجمع امتی الا علی ھدی (مسند احمد)

اس لئے کہ یہ تینوں حدیثیں آپ کے مقرر کردہ معیار پر بالکل پوری ہیں - کسی بھی قسم کے تعین کا ان میں شائبہ تک نہیں- اس کے باوجود محض ایک

'' مفروضہ '' کی بنا پر مذکورہ ذیل الفاظ میں' امام شافعی کا قول قرار دے کر رد کر دینا نہ صرف محققانہ شان سے بعید ہے ، بلکہ صحافتی دیانتداری کے بھی سراسر منافی ہے آپ فرماتے ہیں ،

''امام شافعی کے بعد جب حدیث کی اشاعت اور زیادہ کثرت سے ہونے لگی تو ان کا بیان ایک حدیث بن گیا''

امام شافعی کا قول ''ونعلم ان عا متہم لا تجتمع علی خلاف لسنہ" رسول‌اللہ ولا علی خطأ ان شاء اللہ'' ہے

اور لطف کی بات یہ ہے کہ آپ اسی مقالہ‌کی قسط اول صفحہ ۲۷ و ۲۸ پر امام شافعی کو بعض اساسی امور کے علاوہ باقی مسائل شرعیہ میں '' اجماع کا منکر'' اور اجماع کا حریف سخت قرار دے چکے ہیں اور اس سلسلہ میں نہایت زور دار الفاظ میں ان کی تائید فرما چکے ہیں ۔ وہ الفاظ یہ ہیں ،

'' خصوصیت کے ساتھ ہمارے موجودہ موضوع بحث کے سلسلہ میں اجماع کے متعلق ان کے دلائل نہایت ہی مہتم بالشان ہیں''

اور خاتمہ بحث پر امام شافعی کے متعلق لکھتے ہیں

'' وہ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے پاس اجماع ہو کیسے سکتا ہے تمہارے پاس تو جو کچھ ہے وہ افتراق ہے''

ایسی صورت میں کون باور کر سکتا ہے کہ ''امام شافعی کا بیان ترقی کرکے ایک حدیث بن گیا ، نیز آپ امام شافعی کے مذکورہ بالا مقولہ کو حمایت اجماع قرار دیتے ہیں ؟ خدارا! ڈاکٹر صاحب آپ اس مقولہ کو ذرا دوبارہ پڑھئے وہ فرماتے ہیں ۔

'' اور ہمیں کامل یقین ہے کہ نہ امت انشاءاللہ کسی سنت رسول‌کی مخالفت پر متفق ہوگی نہ گمراہی پر''۔

یہ اجماع کی حمایت ہوئی یا حجیت سنت کی حمایت ؟

حقیقت صرف یہ ہے کہ امام شافعی علیہ الرحمہ بطور ''تضمین'' و اقتباس مشہور و معروف حدیث '' لا تجتمع امتی علی الضلالہ '' کے متبرک کلمات میں اپنی امید کا اظہار فرماتے ہیں ، جیسا کہ ان شاء اللہ کا کلمہ اس پر شاہد ہے

کہ " (سنت کے مخالفین و منکرین کچھ بھی کریں ہمیں کامل یقین ہے کہ امت انشاء اللہ کسی بھی سنت کی مخالفت پر ایسے ہی متفق نہ ہوگی جیسے کہ رسول اللہ کے ارشاد کے مطابق گمراہی اور خطا پر متفق نہ ہوگی "

آپ نے امام شافعی کے مقولہ میں لا تجتمع دیکھتے ہی اس کو اجماع سے متعلق اور احادیث ثلاثہ اجماع کا ماخذ قرار دے دیا کہ ہو نہ ہو یہی مقولہ ہے جو ترقی کرکے حدیث بن گیا " بہر حال آپ ازروئے تاریخ کوئی قطعی ثبوت دیجئے کہ فلاں زمانے میں فلاں شخص نے اس مقولہ کو فلاں غرض کے لئے حدیث مرفوع بنایا ورنہ ان تینوں حدیثوں کو جو آئندہ زمانہ کے متعلق پیشنگوئی اور آپ کے مقرر کردہ معیار پر پوری ہیں - اپنے عقیدہ کے مطابق صحیح تسلیم کیجئے- اجماع کی حجیت سے متعلق ہر سہ احادیث کو مسترد فرمانے کے بعد آپ فرماتے ہیں -

" ہم نے پچھلے پیراگراف میں لکھا ہے کہ اجماع کے متعلق جتنی احادیث ہیں ، اُن کے پیش نظر مقصد یہ تھا کہ درمیانی راہ اختیار کرنے والی ایک مذہبی اکثریت پیدا کی جائے "-

" درمیانی راہ اختیار کرنے والی مذہبی اکثریت " یہ آپ اہل السنت والجماعت کا ترجمہ فرما رہے ہیں ، جیسے کہ متعدد مقامات پر آپ نے اس کی تصریح فرمائی ہے - ملاحظہ فرمائیے - قسط چہارم کا پہلا پیراگراف -

جناب والا ! جماعہ" اور اجماع شریعت کی اصطلاح میں دو مختلف چیزیں ہیں - آپ یہ مذکورہ سابق مقصد اُن احادیث کا قرار دے سکتے ہیں جن میں " لزوم جماعت " یا " تمسک بالجماعت " یا " علیکم بالجماعت " وغیرہ الفاظ وارد ہیں مگر ان احادیث کو " اجماع " اور حجیت اجماع سے کیا تعلق؟ اجماع اور اسکی حجیت سے متعلق یہی تین حدیثیں ہیں مگر ان کو لزوم جماعت اور تمسک بالجماعت سے مطلق کوئی تعلق نہیں - اجماع ادلہ اربعہ شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے اس کا تعلق اثبات احکام شرعیہ سے ہے- جماعت مسلمانوں کے سواد اعظم کا نام ہے اس کا تعلق مسلمانوں کی اکثریت کے ساتھ رہنے اور اطاعت امیر سے ہے - غالباً آپ اسی دھوکہ میں حضرت حذیفہ کی حدیثوں میں

علیک بالجماعت قسم کے الفاظ دیکھ کر اور اُن کو اجماع سے متعلق سمجھ کر مسترد کر بیٹھے ہیں - جیسا کہ قسط چہارم صفحہ ۱۱ کے مندرجہ ذیل جملہ سے ظاہر ہوتا ہے -

'' اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اجماع (تمسک بالجماعت) سے متعلق جو حدیثیں ہیں وہ خانہ جنگی کے اس شدید سیاسی تقاضہ پر مبنی ہیں ''

علحدہ علحدہ ایک ایک حدیث پر کیا بحث کروں - آپ نے اس مقالہ میں مذکورۃ الصدر احادیث کے علاوہ پوری ایک درجن احادیث صحیحہ کو اسی قسم کے ''مفروضات'' اور ''احتمالات'' بلکہ ''توھمات'' کی بنیاد پر مسترد کر ڈالا ہے- کسی حدیث کو ''سیاسی خانہ جنگی'' کے زمانہ کی پیداوار بنا دیا ہے اور کسی حدیث کو ''کلامی نزاع اور معتزلہ و خوارج کی کشمکش'' کے زمانہ کی پیداوار بنا دیا ہے - کبھی احادیث کا وہ قتل عام ہے جس کی بناء پر پیمانہ صبر لبریز اور دامن ضبط و شکیب ہاتھ سے چھوٹا جا رہا ہے -

محترم ڈاکٹر صاحب !! کیا یہی ہیں وہ ''تاریخی حقائق'' جن کے معیار پر آپ از سر نو ذخیرہ احادیث کی جرح و تعدیل کرنا چاہتے ہیں اور کیا یہی وہ '' داخلی شہادتیں '' ہیں جن کی بنا پر آپ بخاری و مسلم کی قوی سے قوی سند والی حدیثوں کی صحت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں؟

میرے محترم !! دنیا کا ہر ہوشمند انسان جانتا اور مانتا ہے کہ :

(۱) کسی کلام یا بیان کی ''تاریخی حقائق'' کے معیار پر جرح و تعدیل کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اگر تاریخی حقائق اور واقعات اس کلام یا بیان کی مخالفت یا تردید کرتے ہیں تو مسترد کردیا جائے اور اگر تصدیق و تائید کرتے ہیں تو اس کو صحیح تسلیم کرلیا جائے اور اگر خاموش ہیں تو کم ازکم اس کی صحت کا انکار نہ کیا جائے -

(۲) اسی طرح کسی کلام یا بیان کو '' اخلاقی معیار '' پر پرکھنے کے معنے یہ ہیں کہ اگر اس کلام یا بیان سے اعلیٰ اخلاقی اقدار پر ضرب کاری یا ٹھیس لگتی ہے تو اس کو رد کردیا جائے اور اگر ان کی حمایت و تقویت

ہوتی ہے تو اس کو صحیح تسلیم کرلیا جائے اور اگر دونوں سے بے تعلق ہے تو کم از کم اخلاقی معیار سے اس کو مسترد نہ کیا جائے۔

(۳) اسی طرح عقلی معیار پر کسی کلام یا بیان کو پرکھنے کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ کلام و بیان کسی عقلاً یا عادۃً امر محال و ممتنع پر مشتمل ہو یا اس کو صحیح تسلیم کرلینے سے کوئی امر محال یا ممتنع لازم آتا ہو تو اس کو مسترد کردیا جائے اور اگر عقل انسانی اس کی تائید و حمایت کرتی ہے تو اس کو صحیح تسلیم کرلیا جائے۔

(۴) اسی طرح کسی کلام یا بیان کی ''داخلی شہادت'' اس کی صحت کے خلاف موجود ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کلام یا بیان میں کوئی ایسا تضاد، تعارض یا منافات پائی جاتی ہو جس کو دور نہ کیا جاسکے، یا واقعہ کے خلاف امور پر مشتمل ہو، یا عقل انسانی اس کو باور کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔

قبل از بحث و تحقیق چند ''مفروضے'' قائم کرلینا اور ان مفروضات کے معیار پر اس کلام یا بیان کو پرکھنا جو مشکوۃ نبوت سے ظہور پذیر ہوا ہو، یہ عموماً ''مستشرقین'' کا انداز فکر اور طریق بحث و تحقیق ہے اور اس کا مقصد آفتاب کی طرح روشن ہے۔ آپ بحمد اللہ ایک ''مرد مومن'' ہیں۔ آپ کے لئے یہ انداز فکر اور طریق بحث اختیار کرنا کسی طرح بھی شایان شان نہیں۔ ذرا سوچئے، آپ ''مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی'' مملکت پاکستان کے کون ہیں ''معتمد عمومی''۔

میں دعوے سے عرض کرتا ہوں کہ اس مقالہ میں جتنی صحیح حدیثیں آپ نے مسترد کی ہیں، مذکورۃ الصدر تمام معیاروں کے اعتبار سے ان میں سے ایک حدیث بھی مسترد کرنے کے قابل نہیں ہے۔ تاریخی واقعات و حقائق بھی، اعلیٰ اخلاقی اقدار بھی اور صحیح الفطرۃ عقول انسانی بھی ان کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ نہ صرف یہ زیر نظر احادیث بلکہ ''احادیث'' صحیحہ کا تمام تر ذخیرہ مذکورہ بالا معیاروں کے اعتبار سے بالکل صحیح اور درست ہے۔ جس کا جی چاہے دیانتداری، ناطرفداری اور انصاف کے ساتھ پرکھ

کر دیکھ لے ۔ اگر کسی ایک حدیث میں بھی کسی بھی معیار کے اعتبار سے کوئی شک و شبہ ہو، ہمیں بتلائیے ہم انشاء اللہ ہر شک و شبہ کا ازالہ اور حق پرست قلوب کو مطمئن کردیں گے ۔ وما توفیقی الا باللہ و ھو حسبی و نعم الوکیل ۔

ھاں آپ کے قائم کردہ '' خیالی مفروضات '' اور داؤں کی گہرائیوں میں ''پنہاں اغراض و مقاصد '' کے بے شک یہ احادیث ضرور خلاف ھیں بلکہ زیر نظر احادیث کی صحت کو تسلیم کرلینے سے آپ کی نئی دریافتوں '' سنت جاریہ '' '' آزاد اجتہاد '' ، '' بے ضابطہ اجماع '' پر تو ایسی ضرب کاری لگتی ھے کہ ۹۲ صفحات پر قلم فرسائی کرنے کی تمام محنت اور عرق ریزی سب خاک میں مل جاتی ھے ۔

ڈاکٹر صاحب ! ! جس طرح آپ عہد حاضر کے مخالفین حدیث کو سرے سے انکار حدیث پر قسط پنجم میں ایک ایسے بھیانک خلا کے پیدا ھوجانے پر متنبہ فرما رھے ھیں جس میں قرآن حکیم کا وجود بھی خطرہ میں پڑجاتا ھے اسی طرح میں آپ کو اصول احادیث (احادیث عقائد و احکام) کو تاریخی صحت سے محروم قرار دے کر مسترد کردینے پر ایک ایسے بھیانک خلا پیدا ھوجانے کی خبر دیتا ھوں، جس میں رسول اللہ کا منصب نبوت اور عقائد و احکام الھیہ کا وجود خطرہ میں پڑجائے گا ۔ جب عقائد و احکام ھی آپ کے پاس نہ رھے تو رھے گا کیا ؟ اس سے کہ رسول اللہ کی بعثت کا اصلی منشا ھی عقائد حقہ اور احکام الھیہ کی تعلیم و تبلیغ ھے ۔ اگر احادیث عقائد و احکام کو زمانہ مابعد کی پیداوار قرار دے دیا گیا تو ھمیں ایک طرف تو رسول اللہ کی ۱۲ سالہ مکی زندگی سے جس کا اھم ترین کارنامہ ذات و صفات الھیہ کی حقیقی معرفت ، مبدء و معاد کا علم و تعین اور اس کے علاوہ عقائد حقہ کی تعلیم ھے اور دس سالہ مدنی زندگی سے جو تشریع احکام الھیہ میں صرف ھوئی، دست بردار ھوجانا پڑے گا۔ دوسری طرف ماننا پڑے گا کہ اسلامی شریعت کے تمام تر موجودہ عقائد و احکام کی نسبت رسول اللہ یعنی وحی و الھام کی طرف ابلہ فریبی ھے ۔ در اصل یہ تمام عقائد و احکام زمانہ مابعد کی شخصی آراء اور وقتی و سیاسی مصالح کی پیداوار ھیں ۔

ہر پڑھنے اور سننے والے مسلمان کو یہ سن کر سخت حیرت بھی ہوگی اور غصہ بھی آئے گا کہ '' کہنے والے '' کہتے ہیں کہ صحیحین کی مرفوع حدیث من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ - یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نہیں ہے' بلکہ خوارج اور معتزلہ کے مقابلہ اور تردید کے لئے متکلمین کے اس مقولہ کو رسول اللہ کی جانب منسوب کردیا گیا ہے - استغفر اللہ العلی العظیم و اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم -

سوال نمبر ۳۱- عام طور پر جب ہم مستشرقین یا ان کے کسی ترجمان کی زبان و قلم سے یہ سنتے ہیں : امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے سب سے بڑے حامی اور علمبردار ہیں - انہی کی مساعی نے سب سے پہلے حدیث کو حجیت کا یہ اعلیٰ مقام بخشا ہے اور مخالفین حدیث سے کامیاب مباحثے ' مناظرے اور مجادلے کرکے ماخذ تشریع اسلامی میں کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ کو جگہ دی ہے جیسا کہ ان کی وہ تصانیف جو ہماری دست رس میں ہیں. مثلاً الرسالہ' کتاب الام وغیرہ - اس پر شاہد ہیں اور آپ نے بھی ان کو ''تحریک حدیث'' کا '' قائد اول '' تسلیم کیا ہے' تو ہم سمجھتے ہیں کہ چلو' مستشرقانہ حلقہ فکر میں کم از کم ایک '' محدث '' اور '' حدیث '' کا وجود تو تسلیم ہوا -

لیکن اس کے ساتھ جب ہم لفظ '' تحریک حدیث '' اور اس کی تفصیلات کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہیں اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کی پیش کردہ احادیث پر آپ کی وہ نقد و جرح دیکھتے ہیں جس کی رو سے آپ ان احادیث کو زمانہ مابعد کی پیداوار ثابت کرکے مسترد کرتے ہیں اور ان میں بعض احادیث کے متعلق تو پوری قوت کے ساتھ کہتے ہیں کہ '' ان کو قول و فعل رسول اللہ کہنا ناممکن ہے ''-

تو ہماری آنکھ کھلتی ہے اور اپنی اس شدید ترین غلط فہمی کا احساس ہوتا ہے جس میں ہم گرفتار تھے اور ہمیں یقین ہوتا ہے کہ مستشرقین اور ان کے حلقہ فکر کے '' محققین '' در اصل امام شافعی علیہ الرحمۃ کو بے اصل اور موضوع احادیث روایت کرنے والوں کا قائد اول قرار دے رہے ہیں اور ان کو اور ان کے بعد آنے والے تمام محدثین کبار و صغار کو جن میں امام بخاری اور

امام مسلم سر فہرست ہیں' موضوع احادیث کو رواج اور فروغ دینے والے '' کذ ابین '' کہہ رہے ہیں - اس لئے کہ باجماع امت ہر ایسی حدیث کو وضع یا روایت کرنے والا جو در اصل حضور علیہ الصلواۃ والسلام کا قول و فعل نہ ہو' اور اس کو خلاف واقعہ رسول اللہ کی جانب منسوب کردیا گیا ہو ، سب سے بڑا کذاب اور مفتری ہے اور ایسی حدیث یا اجماع امت موضوع ہے ' خواہ کیسی ہی نیک نیتی سے نیک سے نیک مقصد کے لئے کیوں نہ وضع یا روایت کی جائے- از روئے عقل بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف' اور اس قسم کی خلاف واقعہ نسبت' بدترین خباثت اور شنیع ترین جرم ہے اور اس کا مرتکب یا اس پر پردہ پوشی کرنے والا دین الہی کا سب سے بڑا خانہ بر انداز دشمن ہے - از روئے قرآن بھی ایسا شخص '' مفتری '' اور خبیث ترین انسان ہے -

اس لئے ہم جناب والا سے دریافت کرنا اور صرف دو لفظوں میں لا یا نعم (نہیں یا ہاں) میں جواب سننا چاہتے ہیں کہ کیا آپ امام شافعی اور زمانہ مابعد کے محدثین کو کسی بھی موضوع حدیث (یعنی دوسری اور تیسری صدی کی پیداوار احادیث) کا راوی اور جان بوجھ کر خلاف واقعہ ان کو رسول اللہ کی طرف منسوب کردینے والا مانتے ہیں یا نہیں -

واضح ہو کہ آپ کا جواب شائع شدہ مقالہ پر مبنی اور اس کے مطابق ہونا چاہئے - نیز قسط نمبر پانچ میں جن احادیث سے آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ '' محدثین بھی احادیث کو بعینہ قول و فعل رسول اللہ نہیں سمجھتے تھے '' وہ شدید ترین ضعیف یا موضوع روایات ہیں جن سے بدترین گمراہ فرقہ کرامیہ نے جواز وضع حدیث فی الترغیب والترہیب پر استدلال کیا ہے اور قدیم و جدید محدثین نے ان کے پوست کندہ جواب دیئے ہیں- جن پر تحقیقی مقالہ بعنوان ' قدماء محدثین کی جانب وضع حدیث کی نسبت '' عنقریب شائع ہو رہا ہے - لہذا اس جواب میں ان احادیث یا اس پر مبنی مزعومہ دعوی کی پناہ لیجئے -

سوال نمبر ۱۵- جناب والا نے لفظ سنت کی لغوی تحقیق سے فارغ ہونے کے بعد علم جدید کے پانچ مغربی علما کے اقوال و نظریات کا ذکر فرمایا ہے- چنانچہ

ولندیزی مستشرق اسنوک ہرخرونٹے کا نظریہ آپ نے ذیل کے الفاظ میں نقل فرمایا ہے -

''مسلمانوں نے خود بھی اپنے نبی کی سنت میں کافی اضافہ کیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے عام نتائج فکر و اعمال کا مجموعہ سنت کے نام سے موسوم ہو گیا - (قسط اول ص ۱۱)

یہ مستشرق آپ کی تحقیق کے مطابق سنت بمعنی اول (نبی کی سنت) کو بھی تسلیم کرتا ہے اور سنت بمعنی ثانی (مجموعہ) کو بھی - اس لئے کہ سنت بمعنی ثانی کے متعلق آپ کے الفاظ یہ ہیں -

'' عہد رسالت کے بعد سنت کا صحیح مفہوم یہی نہ تھا کہ اس سے مراد خود آنحضرت کی سنت ہی ہو بلکہ سنت نبوی کی جو توضیح کی جاتی تھی' وہ بھی سنت سمجھی جاتی تھی - ''

اس سے زیادہ واضح الفاظ میں آپ ص ۲۵ پر لکھتے ہیں -

'' ہم نے اب تک یہ ثابت کردیا ہے (۱) .. (۲) کہ ابتدائی دور کے مسلمانوں کی سنت کا حقیقی اور متعین مجموعہ بڑی حد تک خود مسلمانوں ہی کا پیدا کردہ تھا - ''

از راہ کرم اپنی تحقیق اور اس ولندیزی مستشرق کے نظریہ میں فرق بیان فرمائیں؟ اس لئے کہ آپ بظاہر اس ولندیزی مستشرق کے نظریہ کو صحیح تسلیم نہیں کرتے اور فرماتے ہیں :

'' گولڈ تسہیر کے بعد یہ نظریہ غیر محسوس طور پر بدل گیا '' اس کے بعد وہ بدلا ہوا نظریہ آپ نے اس ولندیزی مستشرق کا نظریہ بیان فرمایا ہے حالانکہ یہ مستشرق سنت کے ہر دو مفہوم کا اعتراف کر رہا ہے -

سوال نمبر ۱۶ - جناب والا! گولڈ تسہیر کا تعارف ذیل کے الفاظ میں فرما کر بظاہر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں -

'' علم جدید کے مغربی علماء میں اگنس گولڈ تسہیر پہلا ادراکی مفکر ہے جس نے اسلامی روایات کے ارتقا کو سمجھا ہے - ''

اس کے بعد سنت کے متعلق اس '' ادراکی مفکر '' کا نظریہ ذیل کے الفاظ میں نقل فرماتے ہیں -

اس نے یہ تسلیم کیا ہے کہ آنحضرتص کی بعثت کے فوراً بعد ہی آپ کا عمل اور تعامل مسلمانوں کی نئی جماعت کے لئے سنت بن گیا - معاف فرمائیے : ان الفاظ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ تصور سنت سے متعلق آپ کا طویل و عریض مقالہ آپ کی ذاتی تحقیق کا نتیجہ نہیں بلکہ اسی اجمال کی تفصیل ہے اس لئے کہ گولڈ تسہیر کے نظریہ میں آپ کا عمل جناب کی تحقیق کے مطابق سنت بمعنی اول ہے اور تعامل آپ کی تحقیق کے مطابق سنت کا مفہوم ثالی ہے -

اس ادراکی مفکر گولڈ تسہیر کے نظریہ میں اور ولندیزی مستشرق امنوک ہر خرونٹے کے نظریہ میں اگر کوئی فرق کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ولندیزی مستشرق کے یہاں سے سنت کی اصطلاح عہد رسالت کے بعد کی پیداوار معلوم ہوتی ہے - حالانکہ وہ '' سنت نبی '' کا اعتراف کرتا ہے - اور گولڈ تسہیر بعثت کے فوراً بعد ہی سنت کا وجود تسلیم کرتا ہے - زیادہ سے زیادہ بعینہ یہی فرق آپ کے اور ولندیزی مستشرق کے نظریہ میں کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ آپ خود ان مستشرقین کے نظریات پر تنقید کے ذیل میں فرماتے ہیں -

'' لیکن جہاں تک سنت رسول کا سوال ہے، یہ بیان صحیح نہیں ہے یعنی سنت رسول کا نظریہ ایک کارفرما عملی تصور تھا جو آغاز اسلام میں بھی موجود تھا '' اس تجزیہ و تحلیل کے بعد جناب والا کی '' تحقیق سنت '' اور گولڈ تسہیر کے '' نظریہ سنت '' میں مطلق فرق باقی نہیں رہتا بجز اس کے کہ گولڈ تسہیر کے نظریہ میں ایک ناقابل فہم اجمال ہے آپ نے اس کی تفصیل فرما کر اسے قابل فہم اور لائق قبول بنا دیا - وہ محض ایک دعویٰ تھا - آپ نے اسلامی معلومات کے ذریعہ دلائل و براہین سے اسے مدلل و مبرہن فرما دیا -

بہر صورت ان دونوں مستشرقوں کے نظریہ سنت میں کوئی فرق ہو یا نہ ہو ، لیکن جناب کے طویل و عریض مقالہ تصور سنت کا ماخذ بظاہر بجائے ذاتی تحقیق کے انہی دو مستشرقوں کے نظرئے یا ان میں سے کسی ایک کا نظریہ

ہے، فرق صرف اجمال و تفصیل اور دعویٰ و دلیل کا ہے ، یہ دونوں مستشرق غیر مسلم ہونے کی وجہ سے ارتقاءفقہ اسلامی اور ائمہ و فقہا و محدثین کے اقوال و مذاہب کے متعلق عمیق معلومات نہ ہونے کی وجہ سے اپنے دعووں کو تفصیلی طور پر سمجھانے اور ان پر دلائل قائم کرنے سے قاصر تھے - آپ ٹھہرے '' گھر کے بھیدی '' آپ نے '' لنکا ڈھا دی '' اور اعداء اسلام کے معاندانہ نظریات کو کھینچ تان کر ہمارے امام مالک ، امام اوزاعی ، امام ابو حنیفہ، قاضی ابو یوسف اور امام محمد کے سر مڑھ دیا -

معاف فرمائیے یہ وہ شکوک و شبہات ہیں جن کا ایک طالب علم کے ذہن میں خود ''آپ کے یہاں سے پیدا ہونا اور ان کے ازالہ و حل کی آپ سے درخواست کرنا ناگزیر ہے - آپ کی عالمانہ شان سے قوی امید ہے کہ آپ ان کا ضرور ازالہ فرمائینگے -

سوال نمبر (۱۷) جناب والا! آپ کے مقالہ کا پورا عنوان ہے ''اسلام کے ابتدائی عہد میں سنت اجماع اور اجتہاد کا تصور'' مگر آپ نے اپنے مخصوص طریق کار کے تحت جس طرح سنت کی اصطلاحی جامع و مانع تعریف اور مصادیق کی تعیین سے ارادۃً پہلوتہی فرمائی ہے ، اسی طرح اجماع اور اجتہاد کی اصطلاحی جامع و مانع تعریف، انواع و اقسام اور شرائط معتبرہ فی الشرع کے بیان نیز ارباب اجتہاد اور اہل اجماع کے تعیین سے قصداً پہلوتہی فرمائی ہے - یہ شان تحقیق سے بعید ہے -

تاہم آپ کے مذکورہ ذیل اقتباسات پیش کرکے ہم آپ سے اجتہاد و اجماع سے متعلق چند سوالات کرنا چاہتے ہیں امید ہے کہ آپ مناظرانہ نہیں بلکہ محققانہ اور مشفقانہ تسلی بخش جواب ضرور دینگے -

قسط اول صفحہ ۲۱ پر آپ تحریر فرماتے ہیں -

'' اسلام کے ابتدائی زمانہ میں نمونہ رسالت (؟) جن وجوہات سے بتدریج انسانی تعامل کا ایک مخصوص اور متعین قانون بنتا چلا گیا ، وہی وجوہات در اصل شخصی اور آزاد فکری تحریک کی بھی ذمہ دار تھیں - یہی عقلی انداز فکر جس ''رائی'' یا کسی ایک شخص کی '' سوچی سمجھی رائے ''کہا

جاتا تھا تقریبا پہلی اور دوسری صدی کے نصف اول میں فقہی ، مذہبی اور اخلاقی افکار کا ایک نہایت قابل قدر ذخیرہ مہیا کر دینے کا باعث بنی '' چند سطر بعد آپ فرماتے ہیں -

'' شخصی آزادانہ رائے '' نے موجودہ سنت اور قرآن مجید سے باقاعدہ اور منظم طریقہ پر استنباط کی راہ ہموار کی - اس طریق استنباط کو قیاس کہا جاتا تھا ''۔

صفحہ ۲۲ پر آپ فرماتے ہیں : '' عامہ" الناس کی واضح رائے '' سامنے آرہی تھی ''

صفحہ ۲۳ پر آپ لکھتے ہیں : یہ اجتہاد مسلسل '' رائے '' '' باہمی اثر اندازی اور اثر پذیری '' سے بتدریج قبول عام یا قوم کے اتفاق کی صورت اختیار کرتا چلا گیا یعنی اس نے اجماع کی شکل اختیار کرلی ''

صفحہ ۲۵ پر آپ فرماتے ہیں : (۳) اس مجموعہ کی تخلیق کا ذریعہ شخصی اجتہاد تھا ، جو اجماع میں جھلکتا تھا '' (چند سطر بعد)

''اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملت مجموعی طور سے اپنے آپ کو سنت نبوی کے مشمولات کی '' تخلیق و باز تخلیق '' کے ضروری استحقاق کا متحمل سمجھتی تھی- اجماع اس کی صحت یعنی ان '' نئے مشمولات '' ہی کی عملی قطعیت کی ضمانت تھا تاکہ غلطی کا امکان نہ رہے ''

صفحہ ۲۶ پر آپ لکھتے ہیں : اس موقع پر لازماً سنت و اجماع کی ایک انوکھی خصوصیت پر بھی غور کر لینا چاہئے- وہ یہ کہ یہ ''باضابطہ اجماع'' اختلاف رائے کو نہیں روکتا تھا مثلاً اہل مدینہ کا سنت و اجماع اہل عراق کے سنت و اجماع سے مختلف ہو سکتا تھا بلکہ ہر کسی مقام میں بھی '' اختلاف رائے '' ہو سکتا تھا اگرچہ '' رائے عامہ '' اس کے پہلو بہ پہلو نمایاں طریقہ پر موجود ہوا کرتی تھی - خود اسی بات سے اجماع کے طریق کار پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اجماع کہاں ہو سکتا ہے یعنی مختلف مقامی استعمالات اور مختلف توجیہات کی بنا پر رائے عامہ ابھر آتی تھی - جب کہ اس کے ساتھ ساتھ تازہ بتازہ فکر اور توجیہات کا عمل بھی برابر کار فرما رہتا تھا ،

اس اجماع تک پہنچنے یا رائے عامہ کے متشکل ہونے کا انداز اپنے مزاج کے اعتبار سے قطعاً جمہوری ہوا کرتا تھا ۔

الف ! ازراہ کرم شرعی اجتہاد ، قیاس اور اجماع کی جامع و مانع اصطلاحی تعریف ، انواع و اقسام اور شرائط جو شرعاً معتبر ہیں بیان فرمائیے دیکھئے ڈاکٹر صاحب ! کسی بھی موضوع پر بحث شروع کرنے سے پہلے ' موضوع کی تعریف و تعیین اور انواع و اقسام اور شرائط کا بیان کرنا تو اصولاً بھی ضرور ہوتا ہے - مگر آپ اس کا نام بھی نہیں لیتے آخر آپ ہر سہ امور کی اصطلاحی تعریفات سے کیوں کتراتے ہیں -

ب! جناب والا کے پورے مقالہ خصوصاً مذکورہ بالا اقتباسات کو پڑھ کر ہر قاری یہی سمجھے گا کہ امت کا ہر فرد موجودہ سنت اور قرآن سے احکام شرعیہ خصوصاً فقہی احکام کے استنباط و استخراج کا با استحقاق مجاز تھا اور امت کی رائے عامہ اس کے اجتہاد کی توثیق و تصدیق کر دیتی تھی اسی کا نام اجماع تھا ، یہی فقہ اسلامی کے ارتقا کی تاریخ ہے - اجتہاد کرنے والے کے لئے اتنا کافی تھا کہ وہ قرآن و سنت سے (براہ راست یا آج کل انگریزی اردو ترجموں کے ذریعہ) واقف ہو اسی طرح اجماع رائے عامہ کے اتفاق کا دوسرا نام تھا - اس سے رائے عامہ کے لئے کوئی علمی یا عملی معیار متعین نہ تھا نیز ہر ہر شہر کا اجماع (رائے عامہ) الگ الگ تھا -

از راہ کرم قرآن حکیم کے حکم ''وان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللہ ورسولہ'' کے تحت (تاریخی قیاسات و مفروضات سے نہیں بلکہ) قرآن و حدیث کی نصوص سے (زبانی گفتگو میں آپ مجموعی طور پر احادیث کی صحت کا اعتراف فرما چکے ہیں) مذکورہ بالا آزاد واجتہاد اور جمہوری اجماع کی صحت و حجیت کے شرعی دلائل پیش فرمائیں -

ہم (اگرچہ اس سلسلہ میں کیا ہم اور کیا ''ہمارا علم'' تا ہم عمر کے چالیس قیمتی سال جو قرآن و حدیث اور تاریخ وفقہ اسلامی کے پڑھنے پڑھانے میں

صرف کئے ھیں ان کی روشنی میں) نہایت ٹھوس دلائل کتاب و سنت سے بھی اور تاریخی حقائق کے اعتبار سے بھی مذکورہ بالا اجتہاد اور جمہوری اجماع کے خلاف پیش کر سکتے ھیں لیکن ھم چاھتے ھیں کہ پہلے آپ کے دلائل سن لیں ان کی روشنی میں کچھ عرض کریں تاکہ مفید اور نتیجہ خیز رھے ویسے بھی ھم تو منکر ھیں - بار ثبوت تو آپ پر ھے کہ آپ مدعی ھیں -

قسط پنجم خصوصاً اس کے آخری حصہ سے ظاھر ھوتا ھے کہ آپ اسی آزاد اجتہاد اور جمہوری اجماع کے جس کا نام آپ نے ''سنت جاریہ'' (کتنا دلکش اور حسین نام ھے) رکھا ھے احیا اور نشاۃ ثالیہ کے نہ صرف حامی اور علمبردار ھیں بلکہ امام شافعی علیہ رحمۃ کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک کے تمام محدثین ' مجتہدین اور فقہا کے مقابلہ اور ''بوئے فساد'' کے ازالہ کے لئے میدان میں اتر آئے ھیں - اور ربوا فی القرآن کے عنوان سے مقالہ لکھکر تجارتی سود کو مصالح وقت اور بدلے ھوئے حالات کی بنا پر اپنے اسی آزاد اجتہاد سے حلال کردیا ھے اور ھمیں اندیشہ ھے کہ عہد حاضر اور ملک پاکستان کی '' رائے عامہ'' اس پر مہر توثیق و تصدیق ثبت نہ کر دے اور اس تحلیل حرام پر جمہوری اجماع نہ قائم ھوجائے اس لئے بھی مذکورۃ الصدور اور آزاد اجتہاد اور جمہوری اجماع کے اصول پر بحث کرنا لابدی ھوجاتا ھے - اس لئے مذکورہ سوالات و جوابات اور دعاوی کے دلائل ضرور بیان فرمائیں - بالمشافہ گفتگو میں جناب والانے نہایت پاکیزہ خیالات کا اظہار فرمایا ھے اس لئے الدین النصیحۃ قیل لمن قال اللہ ولرسولہ ولعامۃ المسلمین کے فرمان نبوی کے تحت یہ سوالات کرنے کی جو بات ھوئی ھے خدا کرے کہ اس بحث و تفصیل سے خدا کے دین کے لئے کوئی مفید نتیجہ نکل آئے وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب -

— محمد ادریس

—:o:—